طاقت،تشدد،دہشت گردی اور جہاد
(اقبال کے افکار کی روشنی میں ایک تجزیہ)

ڈاکٹر محمد آصف*

Abstract:

Today Power, violence, terrorism and extremism are those heinous crimes that have pushed the world into furnace of war. The west still believes Islam as a religion of sword. It has not yet got rid of its bias or obsession that Islam motivates its believers to barbarism and blood-shed. In reality Islam has nothing to do with violence, public exploitation and blood-shed. Islam is convinced of attaining power and might but not for fascism. Where as, we have witnessed even in modern age that so called civilised West is inclined towards use of unlimited power and might. In current situation it is necessary that all the tools of power - Violence, Jihad, Terrorism and Extremism may be viewed politically and in thoughtful perspective. It is also the need of hour that some balanced and humanistic ideas should be promoted to create pure human conscience and to harmonize different religions and civilizations. This publication puts up such a discussion in the light of Iqbal's thoughts.

ملوکیت کا مذہب طاقت ہے۔مغربی ابلیسی نظام خود کو ہر صورت میں (جائز و ناجائز ذرائع کے ذریعے) مستحکم کرنا چاہتا ہے۔اسے قوت و اقتدار سے غرض ہے چاہے جس طرح بھی حاصل ہو۔تیل کے ذخائر کے لیے آج مغربی سامراج تشدد اور طاقت کو جس بے رحمانہ طریقے سے کام میں لا رہا ہے وہ ہر باشعور فرد کی نظر میں ہیں۔اگر مسلمان جرمِ ضعیفی کا شکار نہ ہوتے تو مغربی استعماری نظام کی یہ جرأت ہی نہ ہوتی۔گویا طاقت کا توازن امن

* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبۂ اُردو،بہاءالدین زکریا یونیورسٹی،ملتان

معاہدوں اور بین القومی ہم آہنگی کو جنم دے سکتا ہے۔ چنانچہ ہر ہیئتِ اجتماعیہ پر قوت کا نشو ونما تحفظ کے نقطۂ نظر سے لازم آتا ہے۔

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے ملا یہ متاعِ گراں بہا ، اس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے ، نے غمِ افلاس

(بالِ جبریل/کلیاتِ اقبال اُردو، ۱۴۹/۴۹۳)

آخری شعر کا دوسرا مصرع قوت کی جہت و غایت بھی متعین کرتا ہے۔ قوت کے حصول کے باوجود مال و منال سے بے نیازی اخلاق سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ طاقت کا حصول اور طاقت کا استعمال اعلیٰ اخلاقی اقدار کے لیے ضروری ہے نہ کہ حرص و ہوس کے لیے۔ خیر سے عاری قوت ابلیسی قوت ہے۔ چونکہ مغرب کا استعماری نظام ابلیسی نظام ہے اس لیے اِس کی قوت بھی ابلیسی قوت ہے۔ اس طاغوتی استعمار کو اپنا رعب و دبدبہ قائم رکھنے کے لیے طاقت کی جا و بے جا نمائش کی بھی ضرورت رہتی ہے چنانچہ مغربی تہذیب کے رہنما امریکہ کے حکمرانوں میں ابلیسی تکبر اور ابلیسی قوت و برتری کا احساس دونوں یکجا ہو گئے ہیں۔ امریکہ کی حکمتِ عملی میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے ساتھ ساتھ حفظِ ماتقدم کی جنگ کا پہلو بھی ہے۔ جس میں دشمن ملک پر پہلے سے جنگ مسلط کر دی جاتی ہے۔ اس کی مثال عراق ہے۔ یہ امریکی قومی تحفظ کی پالیسی ہے۔ اِس کی بنیاد یہ ہے کہ امریکہ اس کرّۂ ارض پر سب سے طاقتور قوم ہے لہٰذا امریکہ برداشت نہیں کرے گا کہ کوئی دوسری قوم اس کے برابر آنے کا تصور بھی کرے۔ آج مغرب ڈارون کے نظریۂ ارتقا، نطشے کے آزاد نظریۂ قوت اور میکیاولی کے سیاست میں اقدار و اخلاقیات سے عاری معیارِ طاقت کے تصور (۱) کی عملی تصویر بن کر رہ گیا ہے۔ طاقت کے بے دریغ استعمال کو جائز اور ضروری قرار دے کر اسے اپنی برتری کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔ خود ہنٹنگٹن اعتراف کرتا ہے کہ مغرب نے دنیا کو اپنے خیالات و اقدار کے بل پر نہیں بلکہ منظّم تشدد کے ذریعے فتح کیا ہے۔ (۲)

مغرب نے طاقت کا بڑا وحشیانہ استعمال کیا ہے۔ پہلی جنگِ عظیم اور دوسری جنگِ عظیم میں انسانیت کی تباہی و بربادی، ویت نام کی جنگ، مشرقی یورپ پر روسی ٹینکوں کی یلغار، افغانستان پر روسی فوجوں کا دھاوا، افغانستان اور عراق پر امریکہ کا حملہ اور ان کارروائیوں میں کیمیاوی ہتھیاروں کا جارحانہ استعمال اس کے مظہر ہیں۔ اس کے مقابلے میں عالمِ اسلام عسکری، معاشی، علمی اور صنعتی طور پر بے حد پیچھے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد سے مسلمان

ممالک خاص طور پر مشرق وسطیٰ کے معدنی تیل کے ذخائر کی تحقیق وتحصیل مغربی ممالک کے اختیار میں رہی ہے۔ یہ طاقت ہی کا سبب ہے کہ اقوامِ متحدہ میں ویٹو (Veto) کا حق سپر پاورز (Super Powers) کے پاس ہے جس نے آج تک عالمِ اسلام کے مسائل حل نہیں کرنے دیے۔ گویا مغربی سامراج کے استعماری نظام کا قیام اور واستحکام طاقت کے بل پر ہے۔ وہ طاقت جو لادین ہو چکی ہے۔ مغربی تہذیب نے اپنی برتری کو طاقت کے زور پر قائم رکھا ہوا ہے۔ بالخصوص عسکری قوت کی دہشت نے مغرب کو سامراجی طاقت بنا دیا ہے۔ عالمِ اسلام کے معدنی تیل کے ذرائع پر کنٹرول، بین الاقوامی تجارت اور تجارتی راستوں پر کنٹرول، سیاسی نظام پر سیاسی ومعاشی یا دونوں کا متحدہ جبر جس کے ذریعے مسلم حکومتوں کو جب چاہے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ مغربی سیاست کی یہ طاقت علمی، عملی، معاشی، ٹیکنیکی، سیاسی ہر طرح کی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ طاقت کا متوازن اور صحیح استعمال انسان کا بہترین سرمایۂ حیات ہے اور انفرادی و اجتماعی نشوونما طاقت ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے اسلام طاقت کے حصول کو لازمی قرار دیتا ہے۔ اقبال کی پہلی مثنوی 'اسرارِ خودی' سراسر طاقت کے حصول کے متعلق ہے۔ یہاں ضربِ کلیم کے یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

مری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی
کہ سر بسجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک
مرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی
ترے نصیب فلاطوں کی شوخیِ ادراک

(ضربِ کلیم/کلیاتِ اقبال اُردو، ص ۱۳۵/ ۶۳۵)

طاقت بے حد ضروری ہے۔ خود اسلام کے لیے ضروری ہے، ورنہ اسلام افیون بن کر رہ جائے گا۔ طاقت کے بغیر مذہب فلسفہ ہے۔ چنانچہ آج عالمِ اسلام اور اسلام کی صورتحال ایک افیون اور فلسفے ہی تو بن کر رہ گئی ہے۔ مغربی استعمار عالمِ اسلام کے وجود کو نوچ نوچ کر کھا رہا ہے۔ یہ سب طاقت کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ جرمِ ضعیفی کی سزا ہے..... تاہم 'زورِ حیدری' اپنے نفس کے لیے، مال و دولت کے لیے، اقتدار کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ ورنہ 'لادین قوت' کے سیلاب میں علم و ہنر، سیاست و معیشت سب تنکے کی طرح بہہ جاتے ہیں۔ مغربی استعمار قوت کے نشے میں بدمست ہو کر عالمِ اسلام بلکہ دنیائے انسانیت کی قبا کو مسلسل چاک کرنے میں مصروف ہے لیکن ایسا کوئی پہلی دفعہ نہیں ہو رہا۔ جب بھی قوت کو اخلاقیات سے الگ کیا گیا، وہ زہر ہلاہل بن کر رہ گئی۔ ابلیسیت نے تو جنم ہی اِس زہر سے لیا ہے۔

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں — سو بار ہوئی حضرتِ انساں کی قبا چاک
تاریخِ اُمم کا یہ پیامِ ازلی ہے — صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک
اس سیل و سبک سیر و زمیں گیر کے آگے — عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک
لادیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر — ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

(ضربِ کلیم/کلیاتِ اقبال اردو، ص ۴۱/۵۴۱)

اسلام اِس زہر کو اخلاق سے وابستہ کر کے تریاق بنانا چاہتا ہے۔ جبھی تو اقبال کہتے ہیں کہ میں جسمانی قوت کو منتہائے مآل نہیں سمجھتا۔

''میں روحانی قوت کا قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔ جب ایک قوم کو حق وصداقت کی حمایت میں دعوتِ پیکار دی جائے تو میرے عقیدے کی رُو سے اس دعوت پر لبیک کہنا اس پر فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن میں ان تمام جنگوں کو مردود سمجھتا ہوں جن کا مقصد محض کشور کشائی ہے۔''(۳)

''مسٹر ڈکسن کا ذہن ابھی تک یورپ والوں کے اِس قدیم عقیدے سے آزاد نہیں ہوا کہ اسلام سفا کی اور خونریزی کا درس دیتا ہے۔''(۴)

آج بھی یہی صورتحال ہے۔ مسٹر ہنٹنگٹن، مسٹر بش، مسٹر ٹونی بلیئر آج بھی اسلام کو تلوار کا مذہب سمجھتے ہیں۔ ان کا ذہن بھی ابھی تک یورپ والوں کے اس قدیم عقیدے سے آزاد نہیں ہوا کہ اسلام سفا کی اور خونریزی کا درس دیتا ہے۔ حالانکہ اسلام کے عقیدے کے مطابق:

''جہاد اگر محرکِ او جوع الارض باشد در مذہب اسلام حرام است''(۵)

یہ تصورِ جہاد مغرب کے تصورِ جہاد سے قطعاً مختلف ہے جس کا مقصد جوع الارض ہے۔ جبھی تو اقبال نے یہ کہا ہے کہ:

''میں تصادم کو سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے ضروری سمجھتا ہوں۔''(۶)

چنانچہ اسلام میں جہاد کا تصور بے حد وسیع ہے۔ راہِ حق یا اعلیٰ اخلاقی اقدار کے لیے کی جانے والی ہر کوشش جہاد ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ وہ کوشش ذاتی اغراض سے ماورا، پورے خلوص کے ساتھ اخلاقی اقدار کے لیے ہو۔ امن وامان کے لیے، انسانیت کی بھلائی کے لیے اور تعمیرِ نفس کے لیے ہو۔ اسی کا نام جہاد یا 'زورِ حیدری' ہے۔ جہاد کی جہت انفرادی بھی ہے، اجتماعی بھی۔ یہ انسان کی ذات میں بھی ہوتا ہے، خارج میں بھی۔ غرض وہ تمام تصورات جو اسلام کے حقیقی نصب العین کے خلاف ہوں اُن کی مخالفت جہاد ہے اور یہ جہاد فرد کے اندر بھی ہو سکتا ہے اور باہر بھی۔(۷) محض حرص وہوس کے لیے کی جانے والی کوشش، چاہے وہ تلوار کے ذریعے ہو یا قلم کے ذریعے، وہ مسلم کرے یا غیر مسلم.....ایک ایسی تلوار کی مانند ہے جو خود اس کے سینے کے پار ہوگی۔

ہر کہ خنجر بہرِ غیر اللہ کشید
تیغِ او در سینۂ او آرمید

(رموزِ بیخودی/کلیاتِ اقبال اردو،ص۶۴/۶۴)

اس حوالے سے مغرب کے زوال کے بارے میں اقبال کی یہ پیشین گوئی بڑی معنی خیز ہے۔

ع ''تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی''

(بانگِ درا/کلیاتِ اقبال اردو،ص۱۵۱/۱۶۷)

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے درست ہی لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں لیگ آف نیشنز یا یونائیٹڈ نیشنز جیسے ادارے قائم کیے گئے ہیں لیکن حالات شاہد ہیں کہ یہ بھی مغربی طاقتوں کے استعمار اور تغلب کے اکھاڑے ہیں۔اور ان کا اثر چھوٹی اقوام میں ثالث بننے اور اس میں (Foulplay) کرنے تک محدود ہے۔یہ مقہور و مجبور مسلم دنیا کو فریب دینے کی کوشش ہے۔مغرب کی محرومی یہ ہے کہ اس کے پاس صحیح غلط کی روحانی بنیاد نہیں ہے(۸) چنانچہ چند دہشت گردوں کو پکڑنے یا مارنے کی آڑ میں لاکھوں بے بس انسانوں کو اذیت دے کر اُنھیں تباہ کر دیا جاتا ہے۔خود مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے نمونے ملتے ہیں جو صریحاً اسلامی جہاد کے خلاف ہیں۔

> ''مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح جنگ کرتے رہے ہیں۔انہوں نے بھی فتوحات کی ہیں۔مجھے اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ بعض قافلہ سالار ذاتی خواہشات کو دین و مذہب کے لباس میں جلوہ گر کرتے رہے ہیں۔لیکن مجھے پوری طرح یقین ہے کہ کشور کشائی اور ملک گیری ابتداً اسلام کے حقیقی مقاصد میں داخل نہیں تھی۔حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو کشور کشائی میں جو کامیابی ہوئی،میرے نزدیک وہ اسلام کے مقاصد کے حق میں بے حد نقصان دہ تھی۔اس طرح وہ جمہوری اقدار اور اقتصادی اصول نشو ونما پا سکے جن کا ذکر قرآنِ کریم اور احادیث نبوی میں آیا ہے۔''(۹)

ایسا صرف ماضی ہی میں نہیں ہوا۔ہمارے زمانے میں بھی جہاں صحیح اسلامی تصور کے مطابق سچے مجاہد موجود ہیں وہاں ایسے ''مجاہد'' بھی موجود ہیں جن کا ذکر اقبال نے کیا ہے جو محض ذاتی اقتدار و مفادات کے لیے اسلام کے تصورِ جہاد کو استعمال کر کے اس کو مسخ کرتے ہیں۔ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اس سلسلے میں خوب لکھا ہے:

> ''مغرب کے مستشرقین،صلیبی ذہن کے مصنفوں اور ان کے شاگرد دیسی مغرب زدگان یا ہمارے یہاں کے انتہا پسند غالی ذہنیت رکھنے والوں کے نزدیک ''فاقتلوھم حیث ثقفتموھم'' کی آڑ میں بے محابا تلوار چلاتے رہنے کا نام جہاد رکھ چھوڑا ہے۔لیکن اس نعرے کی جوش آفرینی کے باوجود اِس کی غلط تعبیر کا اسلام کی سچی تعلیمات پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور جہاد کی یک طرفہ اور ادھوری

تصویر سے اسلام کے بارے میں توحش بڑھتا ہے۔''(۱۰)

اور مظہر الدین صدیقی کا یہ بیان بھی بے حد دلچسپ ہے کہ:

''جہاد اس کا نام نہیں کہ ہم تلوار لے کر غیر مسلموں پر چڑھ دوڑیں خواہ غیر مسلم اقوام اخلاق اور انصاف میں ہم سے آگے ہوں اور خود اپنی اور اپنے گھر کی خرابیوں کو نظر انداز کر دیں۔ جہاد نفسِ انفرادی سے شروع ہوتا ہے پھر معاشرے اور قومی اصلاح کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ جب تک ہمارا اپنا گھر پاک وصاف نہ ہو، جب تک ہمارے معاشرے میں معاشی عدل، سیاسی مساوات اور مذہبی رواداری کی کمی ہو اس وقت تک ہمیں یہ حق کس طرح پہنچ سکتا ہے کہ ہم غیروں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں؟ آج مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنے خلاف جہاد کرنا ہوگا قبل اس کے کہ وہ دوسروں کے خلاف جہاد کا تصور کریں۔''(۱۱)

بالفاظِ دیگر اسلام کا تصور خراب کرنے میں جہاں مغرب کا کردار ہے وہاں ''دیسی مغرب زدگان'' اور ''انتہا پسند غالی ذہنیت رکھنے والوں'' کا حصہ بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے مسلمانوں کے ہاں موجود ملوکیت، ملائیت اور خانقاہیت کی بڑی مذمت کی ہے۔ اس انتہا پسندی اور شدت پسندی کا نتیجہ کیا نکلا ہے؟ یہی کہ مغرب نے مسلمانوں کو مہذب بنانے کا مشن شروع کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے نزدیک تہذیبوں میں اصل تصادم اسلام اور مغرب کے مابین ہے۔ نئی صدی کے آغاز کے ساتھ جو فلسفہ مغرب میں بالخصوص امریکہ میں منظر عام پر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو رواداری سکھائی جائے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نظریات میں وابستگی کی شدت کو کم کریں۔ جہاد کے لفظ کو غیر معمولی نفرت سے دیکھا جائے۔ مسلمان یہ بھول جاتے ہیں کہ مغرب ہر لحہ اس کی تاک میں ہے۔ وہ کسی موقع کو ضائع نہیں جانے دیتا۔ مثلاً پان اسلام ازم کی اصطلاح کو مسلمانوں پر استبداد کے لئے جس طرح استعمال کیا گیا اس حوالے سے ڈاکٹر جاوید اقبال کی یہ سطور ملاحظہ کیجیے:

''ظفر علی خاں کے مطابق ''یورپ کے عام آدمی کے لیے'' پان اسلامزم کی اصطلاح ایک ایسے عظیم اسلامی اتحاد کے مترادف تھی جسے عیسائی دنیا کی سیاسی طاقت کے خاتمے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ چنانچہ مراکش، طرابلس، ایران اور مقدونیہ پر چڑھائی کے لیے اس اصطلاح کو خوبصورتی سے استعمال کیا گیا۔ عیسائی دنیا کے طالع آزماؤں نے اس خیالی خطرے کی آڑ میں اپنے سادہ لوح جوشیوں کے جذبات کو خوب ابھارا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو گھروں سے بے گھر اور زمینوں جائیدادوں سے محروم ہونا پڑا۔''(۱۲)

اسی طرح اقبال نے بغیر کسی معذرت خواہانہ رویے کے پان اسلام ازم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا تھا:

''پین اسلام ازم کا لفظ فرانسیسی صحافت کی ایجاد ہے اور یہ ایسی مفروضہ سازش کے لیے

استعمال کیا گیا تھا جو اس کے وضع کرنے والوں کے خیال کے مطابق اسلامی ممالک، غیر اسلامی اقوام خاص کر یورپ کے خلاف کر رہے تھے بعد میں پروفیسر آنجہانی براؤن اور دیگر اشخاص نے پوری تحقیقات کے بعد ثابت کر دیا کہ یہ کہانی بالکل غلط تھی۔ پین اسلامزم کا ہوّا پیدا کرنے والوں کا منشا صرف یہ تھا کہ اس کی آڑ میں یورپ کی چیرہ دستیاں جو اسلامی ممالک میں کی جارہی تھیں، وہ جائز قرار دی جائیں۔"(۱۳)

آج بھی مغرب اسلام اور مسلمانوں کو دہشت پسند، بنیاد پرست، تشدد پسند کے روپ میں پیش کر رہا ہے جس سے بالخصوص مغربی تہذیب وتمدن کو خطرہ ہے۔مغرب کا ابلیسی نظام عقل طاغوتی کا حامل ہے۔ چنانچہ اِس ابلیسی عقل کے حامل طبقے کی اوّلین کوشش یہ ہوتی ہے کہ عقل پر اجارہ داری قائم کرے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ اخبار وجرائد، رسل ورسائل غرض میڈیا اور تمام ذرائع جن سے عقل اپنے مطالب کا اظہار کر سکے اس پر اجارہ قائم کرے۔ اس اجارہ داری کے ذریعے وہ اپنی مرضی کے مطابق رائے عامہ کو شکل دینے کی کوشش کرتا ہے۔اسلام ہر قسم کی اجارہ داری کے خلاف ہے۔ پس یہ سب باتیں ایسی محرمات ہیں جو خود اسلام کے خلاف اعلانِ جنگ ہیں۔آج میڈیا پر مغرب کی اجارہ داری ہے۔اصطلاحیں/ ڈسکورس تخلیق کرنا، ان کو عام کرنا اور عوام الناس کے ذہن کو اپنے مفادات کے مطابق ڈھال لینا مغرب کے لیے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ بقول جاوید اقبال:

"اسلام یا مسلمانوں کے خلاف جو مفروضے یورپی اور امریکی میڈیا قائم کر بیٹھا ہے اسی پر مبنی "غذا" وہ اپنے خواص وعوام کو فراہم کرتا ہے۔"(۱۴)

ہوائیں ان کی، فضائیں ان کی، سمندر ان کے، جہاز ان کے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر؟ بھنور ہے تقدیر کا بہانہ

(بالِ جبریل/کلیاتِ اقبال اُردو، ص ۱۳۵/ ۴۵۹)

چنانچہ اسلام کو متشدد مذہب اور مسلمان کو دہشت گرد کے طور پر اُبھارا جارہا ہے۔تاہم ڈاکٹر جاوید اقبال کا یہ مؤقف بھی درست ہے کہ:

"ہم خود بھی مغربی میڈیا کو ایسا سوچنے کے لیے مواد فراہم کرتے ہیں۔"(۱۵)

اس اعتبار سے مغرب کے ادارے جنگ وجدل اور تصادم کا استحصال کرنے کی بجائے نہ صرف جبر و استحصال کے فروغ کا باعث ہیں بلکہ اسلامی اور مغربی تہذیب کے درمیان خلیج میں اضافہ کر رہے ہیں۔مغرب، مغربی اداروں اور مغربی کانفرنسوں کے اس کردار کو اقبال نے اپنے دور میں خوب پہچان لیا تھا۔وہ لکھتے ہیں:

"مسٹر ڈکسن نے درست کہا کہ جنگ خواہ حق وصداقت کی حمایت میں ہو یا ملک گیری

اور فتح مندی کی خاطر، تباہی و بربادی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس لیے ہر صورت میں اس کے استحصال کی کوشش کرنی چاہیے۔ مگر ہم دیکھ چکے ہیں کہ معاہدے، لیگیں، پنچایتیں، کانفرنسیں، جنگ وجدل کا استیصال نہیں کرسکتیں۔ اگر اس سعی وکاوش میں ہمیں پہلے سے مؤثر طور پر کامیابی ہو بھی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ استعمار پسند اقوام جن قوموں کو تہذیب وتمدن میں اپنا ہم سر نہیں سمجھتیں انہیں اپنے جور وستبداد اور استحصال کا نشانہ بنانے کے لیے پرامن وسائل اختیار کرلیں گی۔''(۱۶)

چنانچہ اقوام متحدہ، ورلڈ بنک، آئی ایم ایف، یورپی یونین، نیٹو، مغربی میڈیا وغیرہ ایسے ہی ''پرامن وسائل'' ہیں جن کے ذریعے مغربی طاقتیں آج دُنیائے اسلام کو اپنے جور واستبداد اور استحصال کا نشانہ بنا رہی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام میں نہ تشدد ہے نہ عوام الناس کا استحصال یا خون خرابا۔ اسلام قوت کا قائل ہے لیکن فاشطیت کا قائل نہیں ہے۔ مغرب کا رجحان قوت کے بے دریغ استعمال کی طرف ہے لیکن اسلام میں ایسا ممکن نہیں ہے۔

''فاشطیت سرمایہ داری کے موجودہ نظام سے مختلف یا آزاد طور پر اس کے مخالف کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کے برعکس فاشطیت موجودہ سرمایہ داری کے انتہائی زوال کی حالت میں اس کی خصوصیات اور اس کی حکمت عملی کو بڑے مربوط انداز میں عمل میں لاتی ہے۔ فاشطیت مزدور تحریکوں کو کچلتی ہے، پارلیمانی عمومیت کو دبانے کی کوشش کرتی ہے، شہنشاہیت کو معاشی تقویت فراہم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے، سامراجی رقابتیں بڑھاتی ہے اور اس طرح فاشطیت اقوام کو جنگ کی طرف کھینچتی ہے نہ وہ دائمی امن کے امکان کی قائل ہے اور نہ امن کے فائدے کی۔''(۱۷)

اِس لیے کہ ملوکیت ہو یا ملوکیت کی کوئی شکل (فاشطیت جمہوریت وغیرہ)، اسے ہر حال میں ایک دشمن کی ضرورت ہے جو اسے ہر حال میں متحرک وتوانا رکھے۔ بالفاظِ دیگر ملوکیت کی غذا امن کی بجائے تصادم ہے جبکہ:

''دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدے کی رُو سے ہر شے پر مقدم ہے۔ نفس انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود متعین کرتا ہے۔ ان حدود کے متعین کرنے کا نام اصطلاحِ اسلام میں شریعت یا قانونِ الٰہی ہے۔ خودی خواہ مسولینی کی ہو یا ہٹلر کی قانون الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔ مسولینی نے حبشہ کو محض جوع الارض کی خاطر پامال کیا، مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا۔ فرق اس قدر ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی قانون کی پابند نہیں۔ دوسری صورت میں قانونِ الٰہی کی پابند ہے۔''(۱۸)

اقبال نے مسولینی کے اعتراف کے پردے میں بڑے مدلل انداز میں فاشطیت اور ملوکیت کو ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے قرار دے کر دونوں کی ناقابل تردید انداز میں مذمت کی ہے۔

میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو برا لگتا ہے کیوں؟ ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی ہَیں چھاج

میرے سودائے ملوکیّت کو ٹھکراتے ہو تم　　تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج؟
پردۂ تہذیب میں غارت گری ، آدم کُشی　　کل روا رکھی تھی تم نے، میں روا رکھتا ہوں آج!

(ضربِ کلیم/کلیاتِ اقبال اُردو،ص۶۶۲/۱۶۲)

پردۂ تہذیب میں غارت گری ، آدم کشی.....یہی آج امریکہ کی رہنمائی میں مغربی سامراجی استعماری نظام کر رہا ہے۔کل ۱۹۳۵ء میں مسولینی نے حبشہ کو یغما گری کا ہدف بنایا تھا،آج بُش افغانستان ،عراق کو اپنی یغما گری کا ہدف بنا رہا ہے۔اس لیے آج بھی اقبال پیر کلیسا سے مخاطب ہیں:

یورپ کے گرگسوں کو نہیں ہے ابھی خبر　　ہے کتنی زہر ناک ابی سینیا کی لاش
ہونے کو ہے یہ مردۂ دیرینہ قاش قاش!
اے وائے آبروئے کلیسا کا آئنہ　　روما نے کر دیا سرِ بازار پاش پاش
پیر کلیسیا! یہ حقیقت ہے دلخراش

(ضربِ کلیم/کلیاتِ اقبال اردو،ص۶۵۷/۱۵۷)

اسلام اصولی طور پر دہشت گردی،تشدد،خودکشی سے واقف ہی نہیں ہے۔پھر یہ چیزیں عالمِ اسلام میں کیسے پیدا ہوگئیں؟ بہت آسان جواب ہے۔''لردان فرنگی اور مُلّا''یعنی اسلام میں ملوکیت ومُلّائیت کی وجہ سے..... یقیناً درست ہے۔لیکن معاملہ صرف یہاں تک نہیں ہے۔یہ تصویر کا صرف ایک رُخ ہے۔اپنے جسم پر بم باندھ کر اپنے آپ کو ریزہ ریزہ کر دینا اتنا آسان کام نہیں ہے۔یہ تو کسی شدید نفسیاتی دباؤ اور بے بسی کا عکاس ہے۔اس کی جڑیں تلاش کی جائیں تو امریکہ اور یورپ کے استعماری مظالم میں ملیں گی۔انہی استعماری مظالم کی وجہ سے خودکش حملہ آوروں کو اپنا مقدمہ اس انداز سے لڑنا پڑ رہا ہے۔قاضی عیسیٰ اور ڈاکٹر جاوید اقبال نے درست لکھا ہے کہ امریکہ کی منافقانہ پالیسیاں اور طوطا چشمی آج بعض اسلامی ممالک میں انتہا پسندی،دہشت گردی اور خودکش حملوں کا سبب بنی ہوئی ہے چنانچہ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ دنیا میں نئی دہشت گردی کی ابتدا تحریکِ آزادیٔ وطن کے مجاہدین کی جدوجہد سے ہوئی۔ان مجاہدین کا تعلق مختلف اقوام سے تھا۔جنھوں نے اپنے اپنے اوطان کی آزادی یا اپنے حقوق کے تحفظ کی خاطر جدوجہد میں ریاستی جبر کے مقابلے میں تشدد کا طریقہ اختیار کیا۔مغربی تہذیب کی اسلام دشمنی کی جڑیں بے حد گہری اور طویل تاریخ میں پیوست ہیں لیکن سرد جنگ کے بعد امریکہ نے باقاعدہ اعلان کر دیا کہ مغربی تہذیب کا سب سے بڑا دشمن اسلام ہے۔اگر امریکہ لبرل جمہوریت کا علمبردار ہے تو پھر اخلاقی طور پر بہتر تھا کہ امریکی قوم بالغ نظر قوم کی حیثیت سے مسلم خودکش حملوں (دہشت گردی؟) کا جائزہ لے کر ان اسباب کو دور کرنے

کی کوشش کرتی۔لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ امریکہ تو خود اسرائیل کا حامی و ناصر ہے۔ ریاستی دہشت گردی کا مظاہرہ خود امریکہ نے افغانستان اور عراق میں کیا ہے جہاں ان کی معدنی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے ان ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ معصوم شہریوں کے اس قتلِ عام پر ہی تو نوم چومسکی نے کہا تھا کہ یہ دہشت گردی کے خلاف جنگ نہیں بلکہ خود دہشت گردی ہے اور امریکہ واحد ریاست ہے کہ جس کی بین الاقوامی دہشت گردی کی بنا پر عالمی عدالت نے بھی مذمت کی ہے اور اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے گا کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو مسلمانوں نے تباہ کیا تھا، تب بھی بے گناہ عوام اور معصوم بچوں کا کیا قصور تھا؟ جب سپر طاقتیں، جو انصاف پسندی کی دعویدار ہیں، خود ریاستی دہشت گردی کی مرتکب ہوں گی تو اس شر پسندی کا الزام اپنے دشمنوں پر ہی لگائیں گی۔ چاہے وہ بے قصور ہوں۔ دراصل ملوکانہ ابلیسی نظام اپنی ترقی و تسلسل برقرار رکھنے کے لیے کسی نہ کسی خوفناک غنیم یا خطرۂ عظیم کا متلاشی رہتا ہے۔

''ہر گرگ کو ہے برۂ معصوم کی تلاش''

(ضربِ کلیم/کلیاتِ اقبال اردو، ص ۱۵۷/ ۶۵۷)

موجودہ منظر نامے میں مغربی ابلیسیت یا ملوکیت کا یہ دشمن ''مسلم دہشت گردی'' ہے۔ جو نیوکلیئر یا کیمیاوی ہتھیاروں سے لیس ہوکر ایک بے چہرہ خودکش مقابل کی صورت میں مغرب کے نافذ کردہ نئے عالمی نظام کو تہہ و بالا کرنے کا موجب بن سکتی ہے۔ لہٰذا بقول امریکہ یہ جنگ، اسلام کے خلاف جنگ نہیں ہے بلکہ دہشت گردی کے خلاف ہے، لیکن ہر مسلمان کو اس شبہ کی نگاہ سے دیکھنا کہ کہیں وہ دہشت گرد تو نہیں، اس کا معمول بن چکا ہے بلکہ پاکستان جیسی مغرب کی تابع فرمان اور لبرل حکومتیں جو امریکہ کے ساتھ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پیش پیش ہیں، ان کے بارے میں بھی مغربی میڈیا اسی نقطۂ نظر کی تشہیر کرتا ہے کہ وہ کمزور ہیں، ان کو عوامی تائید حاصل نہیں اور مسلم 'انتہا پسند' جب چاہیں ان پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اقوام متحدہ ابھی تک دہشت گردی کی تعریف متعین نہیں کر سکا۔ امریکہ اور یورپی اقوام کے نزدیک قومی آزادی کے لیے تحریکیں بھی 'دہشت گردی' کے زمرے میں آتی ہیں لیکن یہاں بھی منافقت ہے کیونکہ یہ تعریف صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ چنانچہ امریکہ کے نزدیک فلسطین کی تحریک آزادی دہشت گردی کے زمرے میں آتی ہے جبکہ اسرائیل اپنی حفاظت کے لیے فلسطینیوں کی نسل کشی پر 'مجبور' ہے اور اُس کے نزدیک یہ دہشت گردی نہیں ہے۔ ایسا روّیہ تمام عالمِ اسلام کے ساتھ ہے دہشت گردی کی آڑ میں ہر طرف مغرب اور اس کے حواریوں کے کے ہاتھوں مسلمان ہی مر رہے ہیں ''پس دہشت گردی کے خلاف عالمگیر جنگ دراصل مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے۔'' اس جنگ میں مسلم حکومتیں مجبوراً یا مفادات کے لیے امریکہ اور اتحادیوں کے ساتھ ہیں۔ (۱۹)

اقبال نے جو تنقید مسولینی پر ۱۹۳۵ء میں کی تھی وہ آج بھی درست ہے۔ کچھ اشعار مندرجہ بالا سطور میں درج کیے گئے ہیں۔اب یہ شعر دیکھیں:

تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال　　غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر گرگ کو ہے برۂ معصوم کی تلاش

(ضربِ کلیم/کلیاتِ اقبال اردو،ص ۱۵۷/ ۶۵۷)

اس صورتحال کا واحد علاج اسلام اور مغرب کے درمیان مکالمہ ہے جس کے اقبال انتھک مفسر تھے۔اس لیے کڑی تنقید کے باوجود نہ وہ مشرق سے بیزار ہیں نہ مغرب سے۔ان کی تنقید جائز اصولوں کی بنیاد پر ہے وہ دونوں کو صحت مند دیکھنا چاہتے ہیں۔وہ دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا چاہتے ہیں۔

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

(ضربِ کلیم/کلیاتِ اقبال اردو،ص ۱۲۱/ ۶۲۱)

اقبال کے نزدیک کسی ایسی شخصیت کی اشد ضرورت ہے جو دونوں کے تنازعات طے کرا کر ان کو ملا دے۔کیونکہ جتنی بھی کانفرنسیں ہوتی ہیں یا معاہدے ہوتے ہیں وہ مغربی اقوام کی بے حسی اور دروغ گوئی کی نذر ہو جاتے ہیں چنانچہ اقبال نے پہلے 'اسرارِ خودی' میں ایسی شخصیت کو آواز دی تھی جو شورشِ اقوام کو ختم کرا دے۔

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا　　اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو　　در سوادِ دیدہ ہا آباد شو
شورشِ اقوام را خاموش کن　　نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن
خیز و قانونِ اخوت ساز دہ　　جامِ صہبائے محبت باز دہ
باز در عالم بیار ایامِ صلح　　جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح

(اسرارِ خودی/کلیاتِ اقبال فارسی،ص ۴۶/ ۴۶)

اِس کے بعد مسٹر ڈکسن کے جواب میں نکلسن کے نام خط میں لکھا تھا:

''ہمیں ایک ایسی زندہ شخصیت کی ضرورت ہے جو ہمارے معاشرتی مسائل کی پیچیدگیاں سلجھائے۔ ہمارے تنازعات کا فیصلہ کرے اور بین الاقوامی اخلاق کی بنیاد مستحکم طور پر استوار کرے۔''(۲۰)

اب مسئلہ یہ ہے کہ ایسی شخصیت آئے کہاں سے؟ کیونکہ اقبال مشرق و مغرب سے،موجودہ اسلام اور

عالمِ اسلام سے غیر مطمئن ہیں۔ مغرب کا انسان نہایت میکانکی، سامراجی تہذیب میں ڈھلا ہوا، تہذیبی تکبر کا شکار باشندہ ہے۔ مسلمان نو آبادیاتی نظام میں جکڑا ہوا دیسی باشندہ ہے۔ ذہنی طور پر غلام، شکستہ، زخم خوردہ، بے عمل، تصوف کے دھندلکوں میں لپٹا ہوا۔ ''مشرق بھی خراب ہے مغرب بھی۔ عالم تمام مردہ و بے ذوقِ جستجو ہے۔''(۲۱) اقبال کے نزدیک ایسا تشخص بیدار کرنے کے لیے حقیقی اسلام سے اور حقیقی اسلامی تہذیب سے وابستگی ضروری ہے۔ کیونکہ صحیح اسلامی تہذیب عقائد اور مذاہب سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی بجائے اخلاقی اصولوں پر شخصیت کی تعمیر کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام ایک زندہ قوت ہے جو لوگوں کے مذہب اور عقائد کو تسلیم کرنے کے باوجود انہیں رشتہ اخوت میں پرو دیتا ہے۔ عیسائی عیسائی ہی رہتا ہے، مسلمان مسلمان ہی رہتا ہے، کسی کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ حریت، مساوات اور اتحاد انسانی اسلام کے وہ بنیادی اصول ہیں جو اقوامِ عالم کو متحد کرتے ہیں اور بین المذاہب ہم آہنگی اور بین المِلّی اشتراک کو استوار کرتے ہیں۔ اس طرح جو شخصیت اور جو تشخص ابھرتا ہے اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے:

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی نہ صفاہاں نہ سمرقند

(بالِ جبریل/کلیاتِ اقبال اردو، ص ۳۳/ ۳۵۷)

چنانچہ وحدتِ آدم، وحدتِ جمعیت اور وحدتِ ملت کے لیے صرف ایک تصور ہے..... توحید..... جو عالمِ انسانی کو حریت و مساوات اور اتحادِ انسانیت کی طرف لے جاتا ہے۔ چنانچہ مغرب کے عالمی نظام کے برعکس اسلام ہی وہ عالمی نظام اور عالمی تہذیب ہے جو حریت، مساوات اور اتحادِ انسانی کی اقدار پیدا کر کے وحدتِ آدم کی تخلیق کرتا ہے۔ اس کو اقبال کے ہاں مندرجہ بالا نظم میں 'مکہ اور جنیوا'، 'جمعیتِ اقوام اور جمعیتِ آدم' کے حوالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام — پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود — اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم
مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام — جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم

(ضربِ کلیم/کلیاتِ اقبال اردو، ص ۵۷۰/ ۵۷۰)

یہی وجہ ہے کہ اقبال اسلام کو ایک مذہب کی بجائے ایک قوت یا روحانی نظام کا لقب دیتے ہیں اور اس کی ازلی اور ابدی بنیادوں پر وہ انسانیت کو متحد کرنا چاہتے ہیں۔(۲۲) ہم اپنے اس مضمون کو اقبال کے مندرجہ ذیل بیانات

پر ختم کرتے ہیں جن میں وحشیانہ طاقت،تشدد،انتہا پسندی اور دہشت گردی--ان تمام ناسوروں کا علاج بھی موجود ہے اور خالص انسانی ضمیر کی تخلیق، عالمِ بشریت کے اتحاد، بین الاقوامی امن وامان، بین المذاہب ہم آہنگی اور بین التہذیبی اشتراک کی صورت بھی۔ دیکھئے:

''اگر عالمِ بشریت کا مقصد اقوامِ انسانی کا امن،سلامتی اوران کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظامِ اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے،اس کی رُو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں، بلکہ عالمِ بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے،نہ نسلی ہے،نہ انفرادی، نہ پرائیویٹ بلکہ خالصتاً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالمِ بشریت کو متحد و منظّم کرنا ہے۔''(۲۳)

''اسلامی تعلیمات کی روح کسی خاص گروہ سے مختص نہیں ہے اسلام تو کائناتِ انسانیت کے اتحادِ عمومی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے تمام جزوی اختلافات سے قطع نظر کر لیتا ہے اور کہتا ہے:''تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ.....

.....دراصل خدا کی ارضی بادشاہت صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام انسان اِس میں داخل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ نسل اور قومیت کے بتوں کی پرستش ترک کر دیں اور ایک دوسرے کی شخصیت کو تسلیم کر لیں۔''(۲۴)

❁❁❁

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ڈارون، نطشے اور میکیاولی کے تصورات کے لئے ملاحظہ کیجئے:

Thomson, Devid(ED), Political Ideas, London: Penguin Books, 1977, P-28;

برنٹن، کرین/کرسٹوفر، جان بی/ وولف، رابرٹ، ایل، تاریخ تہذیب (حصہ اوّل)، ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۵ء، ص ۵۵۵، ۵۵۶

رسل، برٹرینڈ، فلسفہ مغربی کی تاریخ، ترجمہ: پروفیسر محمد بشیر، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۵ء، ص ۵۸۳-۵۹۱، ۸۶۵-۸۷۸، ۸۲۹-۸۳۳

خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، مضمون: رومی، نطشے اور اقبال، مشمولہ: اقبالیاتِ خلیفہ عبدالحکیم، مرتبہ: شاہد حسین رزاقی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۸ء، ص ۲۵۶ تا ۳۰۸؛

خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸۸ء، ص ۳۷۸-۳۷۹

عزیز احمد، پروفیسر، اقبال نئی تشکیل، لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۶۸ء، ص ۲۰۵-۲۳۵

افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، عروجِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۷ء، ص ۳۶۰-۳۶۲

اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ترجمہ: سیّد نذیر نیازی، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۴ء، ص ۶۳-۶۶، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۸۴، ۲۸۹، ۳۰۱-۳۰۳

۲. Huntington,Samuel,P.,"The clash of Civilizations and the Remaking of world order", New York: Simon & Schuster, 1997, PP.51

۳۔ اقبال۔ اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، (طبع نو، تصحیح و ترمیم شدہ ایڈیشن، یک جلدی اشاعت)، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۰۵ء، ص ۳۴۲

۴۔ ایضاً، ص ۳۴۸

۵۔ اقبال۔ اسرارِ خودی/کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء، ص ۶۲/۶۲

۶۔ اقبال۔ اقبال نامہ، مرتبہ شیخ عطاء اللہ، ص ۳۴۵

۷۔ اسلام کے حوالے سے اقبال کے تصورِ جہاد کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں:

ڈاکٹر وحید قریشی کا مضمون، اقبال کا تصورِ جہاد، مشمولہ: اساسیاتِ اقبال، از ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۶ء، ص ۲۶۱ تا ۲۹۱

ڈاکٹر سیّد عبداللہ کا مضمون، اقبال کا تصورِ پیکار، مشمولہ: مسائلِ اقبال از عبداللہ، ڈاکٹر، سیّد، لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص ۳۳۱ تا ۳۴۱

مزید دیکھئے: مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہبِ عالم، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۶۵ء، ص ۲۵۰، ۲۵۱؛ امودودی، سیّد بوالاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۶۵ء، متعلقہ صفحات۔

۸۔ عبداللہ، ڈاکٹر، سیّد، مسائل اقبال، ص ۳۳۷، ۳۳۹
۹۔ اقبال۔ اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، ص ۳۴۸
۱۰۔ عبداللہ، ڈاکٹر، سیّد، مسائل اقبال، ص ۳۶۲
۱۱۔ مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہب عالم، ص ۲۵۱
۱۲۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مضمون، اقبال اور تہذیبوں کے مابین مکالمے کی اہمیت، مشمولہ: اقبال مشرق و مغرب کی نظر میں، مرتبہ، سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی، لاہور: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۶
۱۳۔ اقبال۔ گفتارِ اقبال، مرتبہ: محمد رفیق افضل، ص ۱۷۸
۱۴۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، اپنا گریباں چاک، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۲۶۳، ۲۶۴
۱۵۔ ایضاً، ص ۲۶۴
۱۶۔ اقبال۔ اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، ص ۳۴۲
۱۷۔ عزیز احمد، اقبال۔ نئی تشکیل
۱۸۔ اقبال۔ اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، ص ۱۹۲
۱۹۔ دہشت گردی سے متعلق ان تمام تر مباحث کے لیے دیکھئے
جاوید اقبال، ڈاکٹر، اپنا گریباں چاک، ص ۲۶۱ تا ۲۶۳
جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکارِ اقبال- تشریحاتِ جاوید، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۱۴۷
جاوید اقبال، ڈاکٹر، اقبال اور تہذیبوں کے مابین مکالمے کی اہمیت، مشمولہ: اقبال مشرق و مغرب کی نظر میں، ص ۱۰۹
کنیز فاطمہ یوسف، ڈاکٹر، اقبال اور عصری مسائل، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۴۸۷
نوم چومسکی، گیارہ ستمبر، ترجمہ: سیّد کاشف رضا، شہرزاد، کراچی: ۲۰۰۴ء، ص ۹۶، ۱۰۴
Terry Eagleton, Holy Terror, Oxford University Press, London, 2005, PP.89 to 114;
Qazi Faiz Esa, Clash of Civilization, The Daily Dawn, January 4, 2004, PP.6
۲۰۔ اقبال۔ اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، ص ۳۴۲، ۳۴۳
۲۱۔ اقبال، زبورِ عجم/کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۴۴۲/۵۰
۲۲۔ قاضی عبدالحمید، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت اور اس کا پیغام، مشمولہ: اقبال کا تنقیدی مطالعہ، مرتبہ، اے جی نیازی، لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۵ء، ص ۲۴۰
۲۳۔ اقبال۔ مقالاتِ اقبال (جغرافیائی حدود اور مسلمان)، مرتبہ: سید عبدالواحد معینی، لاہور: آئینۂ ادب، ۱۹۸۸ء، ص ۲۶۵، ۲۶۶
۲۴۔ اقبال۔ اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، ص ۳۵۷، ۳۴۷

❁❁❁